مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب' از : ڈاکٹر اسرار احمد

درس ۸

ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات

سورۃ التغابن کی روشنی میں

آج ہم اللہ کے نام سے مطالعہ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کے آٹھویں درس کا آغاز کر رہے ہیں' جو اِن صفحات میں سلسلہ وار زیرِ اشاعت ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس منتخب نصاب کا حصہ دوم مباحثِ ایمانی پر مشتمل ہے' اور اس حصہ دوم کا یہ چوتھا درس ہے جو سورۃ التغابن پر مشتمل ہے جو مصحف کے اٹھائیسویں پارے میں ہے اور جو دو رکوعوں اور اٹھارہ آیتوں پر مشتمل ہے۔ سورۃ العصر کے بعد یہ پہلی مکمل سورت ہے جو اس منتخب نصاب میں شامل ہے۔

سورت کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

میرے مطالعے اور غور و فکر کی حد تک قرآن مجید کی چھوٹی سورتوں میں ایمان کے موضوع پر جامع ترین سورت سورۃ التغابن ہے۔ یہاں اس بات کو دوبارہ ذہن میں مستحضر کر لیجئے کہ ان مباحث میں ایمان سے مراد قانونی اور فقہی ایمان نہیں ہے جس کی بناء پر ہم اِس دنیا میں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں' بلکہ ایمانِ حقیقی ہے جو قلبی یقین سے عبارت ہے' اور جیسے کہ ہم سورۃ النور کی آیاتِ نور میں دیکھ چکے ہیں' وہ ایمان ایک نور ہے جس سے انسان کا باطن روشن اور منوّر ہو جاتا ہے اور جس کا اصل محل و مقام قلب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصحف میں سورۃ التغابن سے متصلاً قبل سورۃ المنافقون واقع ہے' اور منافقین کے بارے میں یہ بات سب جانتے ہیں کہ وہ بھی قانوناً مسلمان شمار ہوتے تھے اور دنیا میں ان کے ساتھ بالکل مسلمانوں کا سا سلوک ہوتا تھا' اگرچہ وہ ایمانِ حقیقی سے محروم

© rasailojaraid.com

ہوتے تھے۔ گویا حقیقتاً کافر تھے۔ اس طرح قرآن مجید میں سورۃ المنافقون کے فوراً بعد سورۃ التغابن کو لا کر گویا تصویر کے دونوں رخوں کو یکجا کر دیا گیا' یا یوں کہہ لیجئے کہ "تُعرَفُ الاشیاءُ بأضدادِھا" کے اصول کے مطابق "کفرِ حقیقی" کے بالمقابل "ایمانِ حقیقی" کا آئینہ رکھ دیا گیا۔

جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے سورۃ التغابن کی اٹھارہ آیات ہیں جو دو رکوعوں میں منقسم ہیں۔ یہ بڑی پیاری اور دلکش تقسیم ہے۔ پہلے رکوع کی دس آیات میں سے پہلے سات آیات میں ایمانیاتِ ثلاثہ کا ذکر ہے۔ یعنی ایمان باللہ اور صفاتِ باری تعالیٰ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرہ یا ایمان بالمعاد۔ پھر اگلی تین آیات میں ایمان کی نہایت پر زور دعوت ہے کہ یہ واقعی حقائق ہیں' ان کو قبول کرو' ان کو تسلیم کرو' انہیں حرزِ جاں بناؤ اور ان پر یقین سے اپنے باطن کو منور کرو۔

دوسرے رکوع کی کل آٹھ آیات ہیں۔ ان میں بھی یہی تقسیم ہے کہ پہلی پانچ آیات میں ایمان کے ثمرات اور ایمان کے نتیجے میں انسان کے فکر و نظر اور اس کی شخصیت میں جو تبدیلیاں رونما ہونی چاہئیں' ان کا بیان ہے۔ یعنی (۱) تسلیم و رضا (۲) اطاعت و انقیاد (۳) توکل و اعتماد (۴) علائقِ دنیوی کی فطری محبت کے پردے میں انسان کے دین و ایمان اور آخرت و عاقبت کے لئے جو بالقوہ خطرہ مضمر ہے' اس سے متنبہ اور چوکس و چوکنا رہنا اور (۵) مال اور اولاد کی فتنہ انگیزی سے ہوشیار و باخبر رہنا ____ اور آخری تین آیات میں ایمان کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کی نہایت زوردار اور مؤثر ترغیب و تشویق ہے' اور ان میں تقویٰ' سمع و طاعت اور انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ سورۂ مبارکہ واضح طور پر چار حصوں میں منقسم ہے۔

ابتدائی چار آیات :

اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفاتِ کمال کا ذکر

اب آیئے اس سورۂ مبارکہ کے پہلے رکوع کے پہلے حصے کی جانب جو چار آیات پر مشتمل ہے۔ ان آیات پر کسی تفصیلی گفتگو سے قبل مناسب ہو گا کہ ان کا ایک رواں ترجمہ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ذہن نشین کرلیا جائے۔

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ○ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○﴾ (التغابن : ۱-۴)

"اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ کل کائنات کی) بادشاہی بھی اسی کی ہے اور کُل شکر و سپاس اور تعریف و ثناء کا حقیقی مستحق بھی صرف وہی ہے۔ مزید بر آں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی جس نے تم سب کو تخلیق فرمایا لیکن تم سے کچھ (اس کا) انکار کرنے والے ہیں اور کچھ (اس کو) ماننے والے ہیں، اور جو کچھ تم (اس دنیا میں) کر رہے ہو، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تمہاری نقشہ کشی کی اور بہت ہی اچھی نقشہ کشی کی اور صورت گری فرمائی اور (تمہیں) اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے کہ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو، اور اللہ سینوں میں پوشیدہ رازوں کا بھی جاننے والا ہے۔"

جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے، ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال کا بیان بڑے پُر جلال انداز میں ہوا ہے۔ اس موقع پر یہ اصولی بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ایمان اصلاً ایمان باللہ کا نام ہے۔ اصولی، علمی اور نظری اعتبار سے ایمان باللہ ہی ایمان کی اصل جڑ اور بنیاد ہے۔ ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت دونوں اصلاً اسی کی فروع ہیں۔ چنانچہ ایمان بِالوحی، ایمان بالنبوت، ایمان بالکتب یا فی الجملہ ایمان بالرسالت اصل میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہدایت کا مظہرِ اتم ہے۔ اسی طرح بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب و کتاب، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کی تصدیق گویا فی الجملہ ایمان بالآخرت

© rasailojaraid.com

یا ایمان بالمعاد اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل اور اس کے اسم گرامی "الحسیب" کا مظہر ہے۔ گویا اللہ حساب لینے والا ہے اور حساب کے مطابق جزا و سزا دینے والا ہے۔ اور اس کی اسی شان کا کامل ظہور آخرت میں ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ اصل ایمان 'ایمان باللہ' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ التغابن کے پہلے رکوع میں ایمان باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفاتِ کمال کا بیان چار آیات میں ہوا ہے جب کہ ایمان بالرسالت اور ایمان بِالمعاد دونوں کو تین آیات میں سمو دیا گیا ہے۔

ان ابتدائی چار آیات میں ایمان باللہ کا بیان نہایت معجز نما اسلوب میں غایت درجہ اختصار لیکن حد درجہ جامعیت کے ساتھ ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾

"اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے۔"

© rasailojaraid.co

"تسبیح" کا معنیٰ و مفہوم

یہاں پہلے لفظ تسبیح پر غور کر لیجئے۔ اگرچہ فوری طور پر اس کے جو عام معنیٰ ذہن میں آتے ہیں وہ یہ اقرار ہے کہ اللہ پاک ہے۔ لیکن اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے' اسے جاننا ضروری ہے۔ "سَبَحَ یَسْبَحُ" عربی میں کسی چیز کے تیرنے کو کہتے ہیں' خواہ وہ چیز پانی کی سطح پر تیر رہی ہو' خواہ فضا یا خلا میں اپنے مدار پر اپنی سطح کو برقرار رکھتے ہوئے حرکت کر رہی ہو۔ چنانچہ آپ کو قرآن مجید میں یہ الفاظ ایک سے زائد مقامات پر ملیں گے کہ : ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ "یہ تمام (اجرام سماویہ خلا میں) اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں"۔ یہ فعل لازم ہے' اس سے فعل متعدی بنے گا "تیرانا" یا کسی شے کو اس کی سطح پر برقرار رکھنا۔ یہ ہے سَبَّحَ یُسَبِّحُ۔ اس کا مصدر "تسبیح" ہے۔ گویا لفظ تسبیح کے لغوی معنی ہیں "کسی کو اس کی اصل سطح پر برقرار رکھنا"۔ چنانچہ اللہ کی تسبیح یہ ہے کہ اس کا جو مقام بلند ہے' اس کی جو اعلیٰ و ارفع شان ہے' اسے اس پر برقرار رکھا جائے' اور اس کی ذاتِ اقدس' صفاتِ اکمل اور شانِ ارفع کے ساتھ کوئی ایسا تصور شامل نہ کیا جائے جو اس

© rasailojaraid.co

کے شایانِ شان نہ ہو۔ گویا کسی بھی درجے کے ضعف' عجز' نقص' عیب یا محدودیت کا کوئی بھی تصور اس کی ذات و صفات کے ساتھ شامل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انسان اسے اس کے مقام رفیع سے نیچے گرا رہا ہے۔ معاذ اللہ! ـــــ پس تسبیح باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہو گا کہ اس بات کا اقرار و اعتراف کیا جائے کہ اللہ ہر عیب سے' ہر نقص سے' ہر ضعف سے' ہر احتیاج سے منزّہ و ماوراء اور اعلیٰ و ارفع ہے' گویا فی الجملہ "اللہ پاک ہے"۔ واضح رہے کہ یہ معرفتِ الٰہی کا سلبی پہلو ہے کہ ہم نے یہ جان لیا کہ اللہ میں کوئی نقص نہیں' کوئی عیب نہیں' اسے کوئی احتیاج نہیں۔ وہ ان سب سے منزّہ اور پاک ہے۔ معرفتِ الٰہی کے مثبت پہلو کا بیان "وَلَهُ الْحَمْدُ" کے الفاظ میں آئے گا جو آگے آ رہے ہیں!

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کس معنیٰ و مفہوم میں اللہ کی تسبیح کر رہی ہے! تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کوئی زبان دی ہو۔ جیسے کہ ہم جانتے ہیں کہ پرندوں کی بھی زبان ہے اور ان کی اپنی بولیاں ہیں۔ اسی طرح شجر و حجر میں بھی حس موجود ہے اور کوئی عجب نہیں کہ وہ بھی آپس میں مبادلۂ احساس کرتے ہوں۔ چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی گفتگو کا ذکر سورۃ النمل میں موجود ہے : ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ﴾ "ملکہ چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ"۔ لہٰذا یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو کوئی زبان عطا کی ہو' کیونکہ قرآن مجید میں ایک مقام پر یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں : ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ "(قیامت میں انسان کے اعضاء کہیں گے کہ) اس اللہ نے ہمیں بھی گویائی عطا فرما دی ہے جس نے ہر شے کو گویائی بخشی"۔ یعنی میدانِ حشر میں انسان کے اعضاء جب اس کے خلاف گواہی دیں گے تو انسان پکار اٹھے گا کہ تم ہمارے جسم کا حصہ ہوتے ہوئے ہمارے خلاف گواہی کیوں دے رہے ہو؟ تو وہ جواب میں مذکورہ بالا بات کہیں گے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ کائنات کی ہر شے جو تسبیح لسانی کر رہی ہے وہ ہمارے فہم سے ماوراء ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا :

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

تَسْبِيحَهُمْ ﴾ (آیت ۴۴)

"اس (اللہ) کی تسبیح تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں کر رہی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس کی تحمید کے ساتھ تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔"

البتہ اس کائناتی اور آفاقی تسبیح کا ایک پہلو ایسا بھی ہے جو ہماری سمجھ میں آتا ہے جسے تسبیحِ حالی قرار دینا مناسب ہوگا۔ یعنی یہ کہ ہر شے اپنے وجود سے اعلان کر رہی ہے گویا زبانِ حال سے اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ میرا خالق' میرا مالک' میرا صانع' میرا مصوّر' میرا موجد' اور میرا مدبّر ایک ایسی ہستی کامل ہے جس کے نہ علم میں کوئی کمی ہے' نہ قدرت میں کوئی کمی ہے اور نہ حکمت میں کوئی کمی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اگر کوئی تصویر نہایت اعلیٰ ہے تو مصور کا کمال ہے۔ تو درحقیقت وہ تصویر اپنے وجود سے اپنے مصور کے کمالِ فن کو ظاہر کرتی ہے۔ تخلیق اگر کامل ہے تو اس سے اس کے خالق کا کمال ظاہر ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ کُل کائنات' یہ جملہ مصنوعات اور یہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کے حد درجہ اکمل و اَتم اور صفتِ "تصویر" یعنی صورت گری کے نہایت حسین و جمیل مظاہر ہیں۔ سورۃ الحشر کی آخری تین آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے سولہ (۱۶) اسمائے حسنیٰ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا ایسا حسین اور اتنا عظیم گلدستہ کسی اور مقام پر نہیں آیا ہے۔ ان سولہ اسمائے حسنیٰ میں سے تین الخالق' الباری اور المصور ہیں۔ یعنی اللہ تخلیق کی منصوبہ بندی فرمانے والا ہے' اس کو خارج میں ظاہر فرمانے والا ہے' اور اس کی آخری صورت گری اور نقشہ کشی کرنے والا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کل کائنات اور کل موجودات کا الخالق' الباری اور المصور اللہ سبحانہ کی ذاتِ اقدس ہے۔ اور یہ تخلیق و تصویر کامل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الملک میں چیلنج کے انداز میں ارشاد فرمایا:

﴿ مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۚ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ ﴾ (آیت ۳، ۴)

© rasailojaraid.com

"تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص تلاش نہ کر سکو گے۔ ذرا چاروں طرف نظر دوڑاؤ' کیا تمہیں کہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ ذرا دوبارہ دیکھو اور بار بار دیکھو' لیکن تمہاری نگاہیں تھک ہار کر لوٹ آئیں گی (اور تم ہماری اس تخلیق میں کوئی نقص و عیب نہ نکال سکو گے)۔"

تو سوچو کہ عیب و نقص سے مبرّا و منزّہ کون ہے؟ وہ ہستی کہ جس نے ان سب کی تخلیق فرمائی اور جو اس پوری کائنات کی خالق و مصور بھی ہے اور محافظ و مدبّر بھی! الغرض یہ ہیں معانی و مفاہیم "يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" کے!

"لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ" کا مفہوم

اسی آیت مبارکہ میں آگے ارشاد فرمایا ﴿لَهُ الْمُلْكُ﴾ "بادشاہی اسی کی ہے"۔ یعنی اس پوری کائنات کا حقیقی حکمران وہی ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری!

گویا وہ قانوناً (de jure) بھی اس پوری کائنات کا بلا شرکتِ غیرے بادشاہ ہے۔ یعنی حکمرانی کا استحقاق بھی صرف اسی کو حاصل ہے اور واقعتاً (de facto) بھی بادشاہی اسی کی ہے۔ یعنی فی الواقع بھی بادشاہ حقیقی اور حاکمِ مطلق صرف اسی کی ذات ہے۔ گویا "لَهٗ" میں حرفِ جار "لام" لامِ استحقاق کے معنی بھی دے رہا ہے اور لامِ تملیک کے بھی۔ اگر صحیح نہج پر غور کیا جائے تو اس لازمی نتیجے تک پہنچے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن مخلوقات کو کچھ اختیار بخشا ہے' جیسے جن و انس' ان کا اپنا پورا وجود بھی اللہ کے قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ چنانچہ ہم اس بات پر بھی قادر نہیں ہیں کہ اپنے جسم کے کسی حصے پر بالوں کی روئیدگی کو روک سکیں۔ ہمیں یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ جب چاہیں اپنے قلب کی حرکت کو روک دیں اور جب چاہیں اسے رواں کر دیں۔ اسی طرح ہم آنکھ سے سننے کا کام نہیں لے سکتے اور کان سے دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا اپنا وجود بھی ہمارے حکم کے تابع نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کے قوانینِ تکوینی و طبعی میں جکڑا ہوا ہے۔ گویا وہ بھی اسی بادشاہِ حقیقی کا حکم مان رہا ہے' جس کے لئے نہایت ایجاز و اعجاز کے ساتھ فرمایا گیا ہے "لَهُ

© rasailojaraid.c

الْمُلْكُ " یعنی "حقیقی بادشاہی صرف اسی کی ہے"۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنے وجود کے ایک نہایت محدود اور حقیر سے حصے میں اختیار اور ارادے کی اس آزادی پر' جو تمام تر اللہ ہی کی عطا کردہ ہے' ہم اتنے از خود رفتہ ہو جائیں کہ اردو ضرب المثل کے مطابق ہلدی کی گانٹھ پاکر پنساری بن بیٹھیں اور اپنے آپ کو کلیتاً خود مختار سمجھنے لگیں!

آگے چلئے۔ ارشاد فرمایا ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ﴾ "اور کل حمد بھی اسی کے لئے ہے"۔ لفظ "حمد" (جس کی تشریح اس سے قبل سورۃ الفاتحہ کے درس میں بیان ہو چکی ہے) مجموعہ ہے شکر و ثناء دونوں کا۔ گویا کل شکر اسی کے لئے ہے اور کل ثناء بھی اسی کے لئے ہے۔ اس لئے کہ اس پورے سلسلۂ کون و مکاں میں جہاں کہیں کوئی خیر و خوبی' کوئی حسن و جمال اور کوئی مظہر کمال نظر آتا ہے اس کا سرچشمہ و منبع اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ والاصفات ہے۔ لہٰذا تعریف کا حقیقی مستوجب و سزاوار اور مالک و مستحق بھی صرف وہی ہے۔ اسی طرح چونکہ ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہو رہا ہے اور ہماری جو ضرورت بھی پوری ہو رہی ہے وہ چاہے بہت ہی طویل سلسلۂ اسباب کے تعلق و توسط سے ہو رہی ہو' لیکن اصل مسبب الاسباب تو بہر حال اللہ تعالیٰ ہی ہے' لہٰذا شکر کا حقیقی مستحق بھی صرف اسی کی ذات ہے۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ کا تصور

آگے ارشاد فرمایا : ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ "اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ گویا اس کے قبضہ قدرت اور اختیار و اقتدار سے کوئی چیز باہر نہیں ہے! یہاں پہلی آیت ختم ہوئی۔ یاد ہو گا کہ اس سے قبل ایک درس میں عرض کیا جا چکا ہے کہ معرفتِ الٰہی کے ضمن میں جہاں تک ذاتِ باری تعالیٰ کا تعلق ہے تو وہ ہمارے فہم و ادراک ہی نہیں' ہماری قوتِ متخیلہ سے بھی وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ چنانچہ ہمارا اللہ تعالیٰ کو جاننا اور پہچاننا کل کا کل اس کی صفات کے حوالے سے ہے۔ اور ان کے ضمن میں بھی فہم و شعور کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔ یعنی ہم یہ تو جانتے ہیں کہ اللہ سمیع ہے' بصیر ہے اور کلام فرماتا ہے' لیکن یہ نہیں جان سکتے کہ وہ کیسے سنتا ہے' کیسے دیکھتا ہے اور کیسے کلام کرتا ہے۔ اسی طرح ہم یہ تو جانتے ہیں کہ وہ علیم ہے' قدیر ہے اور حکیم ہے' لیکن اس کا کوئی تصور تک

© rasailojaraid.co

نہیں کر سکتے کہ وہ کتنا علیم ہے، کتنا قدیر ہے اور کس قدر حکیم ہے۔ گویا صفاتِ باری تعالیٰ کے یہ مختلف پہلو بھی ہمارے ذہن و شعور اور فہم و ادراک سے ماوراء ہیں، اور ہمارے ذہن کے چھوٹے سے سانچے میں، جو نہایت محدود ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفاتِ مطلقہ اپنی پوری شان کے ساتھ سما ہی نہیں سکتیں۔ لہٰذا ہمارے لئے واحد پناہ گاہ ایک لفظ "کُل" ہے۔ جیسے "هُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ" (وہ ہر چیز پر قادر ہے) جس پر یہ پہلی آیتِ مبارکہ ختم ہو رہی ہے، اور "وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ" (اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے) جس پر اس سورۂ مبارکہ کا پہلا رکوع ختم ہوتا ہے! ــــــ ہر صاحبِ ذوق اندازہ کر سکتا ہے کہ ان دونوں مقامات پر اصل زور لفظ "کُلّ" پر ہے!

ایمان و کفر کی بحث

دوسری آیت کے آغاز میں فرمایا : ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ﴾ "وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تم سب کو پیدا فرمایا"۔ گویا پہلی آیت ایک پُر جلال تمہید کی حیثیت رکھتی ہے جس کے بعد ایمان اور کفر کی بحث شروع ہو رہی ہے جس کے لئے نہایت فصیح و بلیغ اور حد درجہ لطیف پیرایۂ بیان اختیار فرمایا کہ ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ والاصفات ہے جو تم سب کی خالق ہے۔ گوروں کو بھی اسی نے پیدا کیا اور کالوں کو بھی، مشرق کے رہنے والوں کو بھی اور مغرب کے رہنے والوں کو بھی ــــــ تو پھر کتنی حیرت کی بات ہے کہ :

﴿فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ "تو تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن!" حالانکہ اس نے ارادے اور اختیار کی جو تھوڑی سی آزادی تمہیں عطائی فرمائی ہے وہ اصلاً ابتلاء و آزمائش اور امتحان کے لئے ہے۔ جیسا کہ سورۃ الملک میں ارشاد ہوا :

﴿اَلَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

"اللہ ہی ہے جس نے موت و حیات کے سلسلے کو پیدا فرمایا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ کون ہے تم میں سے بہتر عمل کرنے والا"۔ یہی بات سورۃ الدھر میں اس اسلوب سے ارشاد ہوئی : ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ "ہم نے اس (انسان) کو (ہدایت کا) راستہ دکھا دیا، اب وہ (مختار ہے) خواہ شکر گزار بندہ بنے، خواہ ناشکرا

© rasailojaraid.com

اور انکار کرنے والا بن جائے!" ـــــ اسی اختیار کا ظہور اس طرح ہو رہا ہے کہ کچھ لوگ اس کا کفر کرنے والے ہیں اور کچھ لوگ اس کو ماننے والے ہیں' لیکن ظاہر بات ہے کہ انسان کا رویّہ اور اس کی روش بے نتیجہ نہیں رہے گی' بلکہ اس کا بھلا یا برا نتیجہ نکل کر رہے گا۔ لہٰذا اس آیت کے اختتام پر انسان کو مطلع اور خبردار کر دیا گیا کہ : ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ "اور جو کچھ تم کر رہے ہو' اسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے" ـــــ اس ارشاد میں بیک وقت ایک دھمکی بھی مضمر ہے اور ایک بشارت بھی۔ یعنی جو لوگ اس کے منکر' باغی اور سرکش ہوں گے گویا ناشکرے ہوں گے' اور جو اس کے ساتھ شرک کریں گے' ان کو وہ سزا دے گا۔ یہ ان الفاظِ مبارکہ کا دھمکی والا پہلو ہے' اور بشارت والا پہلو یہ ہے کہ جو اس کے شکرگزار ہوں گے' اس کے مطیع و فرماں بردار ہوں گے اور اس کی معرفت سے اپنے قلوب و اذہان کو منوّر کریں گے' ان کو وہ انعام و اکرام سے نوازے گا۔ اس لئے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور سب کی روش سے آگاہ ہے!

کائنات اور انسان کی بامقصد تخلیق

اگلی آیت میں ارشاد فرمایا : ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ یعنی اللہ نے یہ آسمان اور یہ زمین جو پیدا فرمائے ہیں تو بیکار و بے مقصد اور بلا غرض و غایت پیدا نہیں فرمائے بلکہ "بِالحق" پیدا فرمائے ہیں۔ یعنی ایک مقصد کے ساتھ ان کی تخلیق فرمائی ہے۔ "حق" عربی زبان کا بڑا وسیع المفہوم لفظ ہے۔ اس کا اصل مفہوم ہے "وہ چیز جو فی الواقع موجود ہو"۔ باطل کا لفظ حق کی ضد ہے' چنانچہ باطل اصلاً اس کو کہتے ہیں کہ جو نظر تو آئے' محسوس و مشہود تو ہو' لیکن حقیقتاً موجود نہ ہو' جیسے سراب۔ لیکن حق کے اس مفہومِ اصلی پر چند مفاہیم زائد ہیں۔ مثلاً حق ہر وہ چیز ہے جو عقلاً مسلّم ہو' اس کے مقابلہ میں باطل وہ چیز ہے جو عقلاً مسلّم نہ ہو۔ اسی طرح حق ہر وہ شے ہے جو اخلاقاً ثابت ہو اور اس کے مقابلہ میں باطل وہ ہے جو اخلاقاً ثابت نہ ہو۔ مزید برآں حق ہر وہ چیز ہے جو بامقصد ہو' جس کے پیچھے کوئی حکمت کارفرما ہو اور اس کے مقابلہ میں باطل و عبث ہر وہ فعل ہے جو بے مقصد ہو اور جس کی پشت پر کوئی حکمت نہ ہو۔ اس آیت میں لفظ حق اسی آخری مفہوم میں

© rasailojaraid.com

استعمال ہوا ہے اور کلام کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ اللہ نے یہ کائنات بے مقصد اور بغیر حکمت کے گویا باطل اور عبث نہیں بنائی۔ یہ مضمون سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں بھی بایں الفاظ آچکا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ "اے رب ہمارے' تو نے یہ سب کچھ باطل و بے مقصد نہیں بنایا!"

کائنات کی عمومی تخلیق کے ذکر کے بعد خاص طور پر تخلیق انسانی کا ذکر فرمایا گیا:

﴿وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ "اور (اس نے) تمہاری نقشہ کشی کی اور بہت ہی اچھی نقشہ کشی اور صورت گری فرمائی"۔ یعنی ذرا اپنی عظمت کو پہچانو' تم اس کل سلسلۂ تخلیق کا نقطۂ عروج ہو' اللہ نے تمہیں اشرف المخلوقات بنایا اور تمہیں کیسی کیسی عمدہ و اعلیٰ اور ظاہری و باطنی استعدادات سے نوازا۔ اس نے تمہاری تخلیق "فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" یعنی "نہایت اعلیٰ اور بہترین انداز" پر کی۔ پھر تمہاری صورت گری کی اور ناک نقشہ عطا فرمایا اور کیا ہی عمدہ شکل و صورت سے نوازا۔ تو کیا یہ سب کچھ بے کار اور بے مقصد ہے اور "نشستند' گفتند و برخاستند" کے مانند تمہارا اس دنیا میں پیدا ہونا' حیوانوں کی طرح پیٹ اور جنس کے تقاضے پورے کرتے رہنا اور مرجانا' بس یہی تمہاری کل حقیقت ہے؟ نہیں' ایسا نہیں ہے' بلکہ: ﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ "اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے" ـــــــ اور ظاہر ہے کہ لوٹنا جواب دہی کے لئے ہوگا۔ وہاں تمہارا محاسبہ ہوگا۔ تم محض حیوان نہیں ہو' تمہارا مرتبہ و مقام بہت بلند ہے' تم اشرف المخلوقات ہو۔ لہٰذا ؏

"جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے!"

کے مصداق تمہاری ذمہ داری بھی بہت زیادہ ہے اور تمہیں لازماً جواب دہی کرنی ہوگی۔ یہاں آپ نے دیکھا کہ مضمون تدریجاً ایمان باللہ سے ایمان بالآخرۃ کی طرف منتقل ہوگیا۔ قرآن حکیم میں اس مضمون کی دوسری نہایت حسین نظیر سورۃ المومنون کے آخر میں ہے کہ: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ "کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں "عبث" پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے"

© rasailojaraid.com

صفتِ علم کے تین اَبعاد

چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کے ضمن میں صفتِ علم کا ذکر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی جن دو صفات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، وہ صفتِ قدرت اور صفتِ علم ہیں۔ چنانچہ "وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" اور "وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" کے الفاظ قرآن حکیم میں بتکرار و اعادہ وارد ہوئے ہیں۔ ان میں سے صفتِ علم کے بیان میں سورۃ التغابن کی یہ چوتھی آیت اس اعتبار سے بڑی منفرد ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کو تین مختلف اسالیب سے بیان کیا گیا ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ ہماری تفہیم کے لئے اس مقام پر اللہ کے علم کے تین ابعاد (dimensions) کو نمایاں کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ "وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے"۔ اب آپ غور کیجئے کہ بات مکمل ہو گئی، اس لئے کہ "آسمانوں اور زمین" سے مراد کُل کائنات ہے اور اس کے علم میں ہر شے کا علم شامل ہے، لیکن اس پر مزید اضافہ فرمایا: ﴿وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ "اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو یا چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو یا اعلانیہ کرتے ہو"۔ یہ ایک دوسرے رخ سے اللہ کے احاطۂ علمی کا بیان ہو گیا۔ لیکن پھر مزید تاکید اور زور کے لئے فرمایا: ﴿وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝﴾ "اور جو کچھ تمہارے سینوں میں مخفی ہے (اور تمہارے تحت الشعور میں مضمر ہے وہ سب بھی اللہ تعالیٰ پر عیاں ہے اور) اللہ اس کا بھی جاننے والا ہے"۔ ان الفاظِ مبارکہ میں اللہ کے احاطۂ علمی کے ایک تیسرے عرض کی جانب اشارہ ہے، اس لئے کہ بعض چیزیں تو وہ ہوتی ہیں جنہیں انسان جان بوجھ کر گویا شعوری ارادے کے ساتھ چھپاتا ہے، ان کا ذکر تو آیت کے دوسرے حصے میں ہو گیا اور بعض چیزیں وہ ہیں جو انسان کے تحت الشعور میں مؤثر اور محرک عوامل کی حیثیت سے کار فرما ہوتی ہیں، اگرچہ انسان کو خود ان کا شعور نہیں ہوتا ــــــ آیت کے تیسرے اور آخری حصے میں ان کا بھی احاطہ کر لیا گیا کہ تمہارے وہ اصل محرکاتِ عمل جن کا خود تمہیں شعور حاصل نہیں ہوتا، اللہ ان سے بھی باخبر ہے، اور یہ سب اصلاً شرح ہے "وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ

© rasailojaraid.com

عَلِیْمٌ " کی!

اس چوتھی آیت پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفاتِ کمال کا بیان ختم ہوتا ہے۔

آغازِ درس میں اس سورۂ مبارکہ کا ایک تجزیہ پیش کیا جا چکا ہے کہ اس کی پہلی سات آیات میں ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت کا ذکر ہے اور اس کے بعد تین آیات میں ایمان کی پُرزور دعوت ہے۔ پہلے رکوع کی ان دس آیات میں سے چار آیات کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں اور اب ہم بقیہ چھ آیات کا مطالعہ کریں گے۔ لہٰذا آیئے کہ پہلے ہم ان کا سلیس و رواں ترجمہ ذہن نشین کر لیں۔

﴿اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ
اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ؗ فَكَفَرُوْا
وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ زَعَمَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ
بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ○ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○
یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ
یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ○﴾

(التغابن : ۵-۱۰)

"کیا نہیں پہنچ چکی ہیں تمہیں خبریں ان کی جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی (تم سے) پہلے! تو وہ چکھ چکے اپنے کیے کی سزا اور ان کے لئے (آخرت کا) دردناک عذاب مزید ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح اور روشن تعلیمات کے ساتھ آتے رہے تو انہوں نے کہا کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پس انہوں نے کفر کیا اور پیٹھ موڑلی تو اللہ نے بھی استغناء اختیار فرمایا' اور اللہ تو ہے ہی غنی اور (اپنی ذات میں از خود) محمود۔ کافروں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ انہیں (موت کے بعد) اٹھایا نہ جائے گا۔ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے : کیوں نہیں!؟ اور مجھے میرے رب کی قسم ہے کہ تمہیں لازماً اٹھایا جائے گا اور پھر تم کو جتلایا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔ اور یہ چیز اللہ پر بہت آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا (یعنی قرآن مجید) اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ جس دن وہ تم کو جمع کرے گا جمع ہونے کے دن (یعنی قیامت کے دن) وہ ہو گا (اصل) ہار اور جیت کے فیصلہ کا دن۔ تو جو ایمان لائے گا اللہ پر اور نیک عمل کرے گا تو وہ اس سے اس کی برائیوں کو دور کر دے گا اور اسے داخل کرے گا ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔ یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہو گا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہو گا وہ ہوں گے آگ والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔"

آیاتِ مبارکہ اور ان کے ترجمہ سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ یہاں اولاً ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت کا بیان نہایت ہی مؤثر اسلوب اور حد درجہ فصاحت و بلاغت سے ہوا ہے۔ اس اندازِ کلام کے اعجاز سے ہر وہ شخص لطف لے سکتا ہے جو عربی زبان کی تھوڑی سی شُدبُد بھی رکھتا ہو۔

دو آیات میں ایمان بالرّسالت کا بیان

پہلے ایمان بالرسالت کے ضمن میں یہ عظیم حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ رسولوں کا معاملہ عام واعظین یا ناصحین یا مصلحین یا مبلغین کا سا نہیں ہے کہ چاہے لوگ ان کی بات مانیں چاہے نہ مانیں کوئی اہم فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس رسول تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری حجت بن کر آتے ہیں۔ لہٰذا ان کے انکار' ان سے اعراض اور ان کی تکذیب کے دو نتیجے نکل کر رہتے ہیں اور ان کا انکار کرنے والوں کو دو سزائیں مل کر رہتی ہیں۔ ایک اس دنیا میں عذابِ استیصال جس کے ذریعے پوری پوری قومیں ہلاک و برباد کر دی گئیں' جیسے

© rasailojaraid.com

قومِ نوح ؑ، قومِ ہود ؑ، قومِ صالح ؑ، قومِ لوط ؑ، قومِ شعیب ؑ اور آلِ فرعون۔ ان قوموں کا ذکر قرآن مجید میں بار بار اسی اعتبار سے آیا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول ایسی واضح تعلیمات کے ساتھ آئے جو فطرتِ انسانی کے لئے جانی پہچانی تھیں۔ مزید بر آں یہ رسول کھلے کھلے معجزات بھی لے کر آئے۔ "بیّنات" میں دونوں چیزیں یعنی واضح تعلیمات اور روشن معجزات شامل ہیں۔ لیکن جب ان قوموں نے ان رسولوں کا انکار کیا اور ان کی دعوت کو رد کر دیا تو وہ نسیاً منسیاً کر دی گئیں۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا﴾ یعنی "وہ قومیں ایسے ہو گئیں جیسے کبھی دنیا میں تھیں ہی نہیں"۔ یہ وہ سزا ہے جو رسولوں کے انکار پر اس دنیا میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ابھی ایک دوسری سزا باقی ہے اور وہ ہے آخرت کی سزا' یعنی جہنم! یہ مختصر سی تشریح و توضیح ہے اس آیت مبارکہ کی :

﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

"کیا نہیں پہنچ چکی ہیں تمہیں خبریں ان کی جنہوں نے کفر کیا تھا پہلے! تو وہ اپنے کرتوتوں کی سزا کا ایک مزا (اس دنیا میں) چکھ چکے' اور ان کے لئے (آخرت میں دوسری سزا کے طور پر) دردناک عذاب تیار ہے"۔

اس جگہ "استفہامِ تقریری" کا اسلوب اس لئے اختیار کیا گیا کہ سورۃ تغابن مدنی سورت ہے۔ گویا قرآن مجید کا لگ بھگ دو تہائی حصہ جو مکی سورتوں پر مشتمل ہے اس سے بہت پہلے نازل ہو چکا تھا جس میں ان اقوام کا ذکر بارہا آ چکا تھا جو رسولوں کی دعوت کو رد کرنے کے جرم کی پاداش میں ہلاک کر دی گئی تھیں۔

رسالت کے ضمن میں اگلی آیت میں جو دوسری نہایت اہم بات بیان ہوئی وہ یہ ہے کہ رسولوں کے باب میں لوگوں نے جو سب سے بڑی ٹھوکر کھائی اور ان کو ماننے اور ان پر ایمان لانے میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ان کے سامنے آ گئی وہ ان رسولوں کی بشریت تھی۔ ظاہر ہے کہ رسول انسان تھے' انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ وہ نبوت و رسالت پر فائز ہونے سے قبل دنیا میں کاروبار کرتے تھے' بازاروں میں چلتے پھرتے تھے' ان کو بھی وہ

© rasailojaraid

احتیاجیں لاحق ہوتی تھیں جو دوسرے تمام انسانوں کو لاحق ہوتی ہیں۔ جیسے خود حضور ﷺ نے مکہ میں چالیس برس کی عمر شریف تک کاروبار کیا ہے۔ چنانچہ مشرکین مکہ نبی اکرم ﷺ پر اجرائے وحی اور ظہورِ نبوت کے بعد اسی نوع کے اعتراضات وارد کیا کرتے تھے جن کا قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے متعدد مقامات پر ذکر ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے : ﴿وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾ "اور (یہ مشرکین) کہنے لگے کہ اس رسول کی کیا کیفیت ہے کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں۔" لہٰذا ہمیشہ یہی ہوا کہ رسولوں کی بشریت ان پر ایمان لانے میں بہت بڑی رکاوٹ بنتی رہی کہ یہ تو ہم جیسے انسان ہیں۔ ہماری ہی طرح کے ہاتھ پاؤں ان کے بھی ہیں اور ہماری ہی طرح کی ضروریات و حوائج ان کو بھی لاحق ہیں۔ پھر یہ کیسے ہماری ہدایت پر مامور ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ یہ ہے وہ سب سے بڑی ٹھوکر جو لوگوں نے نبوت و رسالت کے باب میں کھائی اور یہ ہے وہ سب سے بڑا حجاب جو رسالت کے باب میں لوگوں کے سامنے آیا' جسے کفر کے سرداروں اور وقت کے بڑے بڑے چودھریوں نے جن کی سیادت و قیادت کو رسول کی دعوتِ توحید سے خطرہ لاحق ہوتا تھا' لوگوں کو ورغلانے کا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ تم اپنے ہی جیسے انسان کو رسول مان کر ان کا اتباع کرو گے تو بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ چنانچہ انہوں نے خود بھی رسولوں کی تصدیق سے انکار کیا اور عامتہ الناس کو بھی اس سے باز رکھا ____ اسی حقیقت کا ذکر ہے اگلی آیت مبارکہ میں کہ رسولوں کی دعوت سے انکار کا ایک اہم سبب ان کا انسان ہونا بھی رہا ہے' ارشاد ہوتا ہے :

﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا' فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ' وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ۝﴾

"یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح اور روشن تعلیمات اور معجزات کے ساتھ آتے رہے تو انہوں نے کہا کہ کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے؟ پس انہوں نے کفر کیا اور پیٹھ موڑلی تو اللہ نے بھی استغناء اختیار فرمایا' اور اللہ تو ہے ہی

© rasailojaraid.com

غنی اور اپنی ذات میں خود محمود اور ستودہ صفات"۔

یہاں آیت کے آخری الفاظ میں سمجھانے کا بڑا ہی پیارا انداز ہے۔ یعنی اللہ بے نیاز ہے' اس کو کسی کی احتیاج نہیں۔ کوئی اسے مان لے تو اس کی بادشاہی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور کوئی انکار کر دے تو اس کی جلالتِ شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ تو اس کا کرم اور فضل' اور اس کی عنایت و رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے رسول مبعوث فرمائے جنہیں اپنی ہدایتِ کاملہ سے سرفراز فرمایا اور جن پر اپنی کتاب نازل کی۔ اب اگر کوئی ناقدری کرے اور انکار و اعراض کی روش اختیار کرے تو اس سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا' اس لئے کہ ان سے اللہ کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہے۔ البتہ اس کا فوری نقصان اور خسارہ ان ناشکروں اور نافرمانوں کو یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نظرِ عنایت اور نگاہِ التفات کا رخ ان کی جانب سے پھیر لیتا ہے اور اپنی شان بے نیازی کا اظہار فرماتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بے نیازی کا جامہ تو صرف اسی کی ذات پر راست آتا ہے' اس لئے کہ وہ "الغنی" بھی ہے اور "الحمید" بھی!

رسالت کے ضمن میں ایک گمراہی کے دو مختلف مظاہر

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ رسالت کے باب میں ایک گمراہی کا ظہور تو اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ رسول کی رسالت کو اس دلیل سے رد کر دیتے ہیں کہ یہ تو ہمارے ہی جیسا انسان ہے۔ گویا رسول کی بشریت قبول حق میں مانع ہو جاتی ہے' جس کا مفصل ذکر اس آیت میں آ گیا۔ لیکن یہ معاملہ یہیں پر نہیں ختم ہو جاتا بلکہ اسی مرض کا ظہور رسولوں کی امتوں میں بعد میں ایک دوسری شکل میں ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بہت سے لوگ محبت اور عقیدت کے غلو کے باعث نبیوں اور رسولوں کی بشریت کا انکار کر دیتے ہیں۔ گویا بنیادی طور پر مرض وہی ہے کہ بشریت اور نبوت و رسالت میں لوگوں نے بُعد اور تضاد محسوس کیا اور اس سبب سے ایک جانب منکروں اور کافروں نے رسول کی بشریت کی بنیاد پر اس کی رسالت کی نفی کر دی اور اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دوسری جانب غالی امتیوں نے رسولوں کی رسالت کی بنیاد پر ان کی بشریت کا انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

انبیاء و رُسل کو خدا کا بیٹا قرار دے کر الوہیت میں شریک کر دیا گیا۔ جیسے یہود کے ایک گروہ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور پال کے متبعین نے تو حد ہی کر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا صُلبی بیٹا قرار دے کر مستقل تثلیث ایجاد کر لی۔ گویا ذہنی مرض اور گمراہی ایک ہی ہے۔ البتہ اس کے ظہور کی شکلیں مختلف ہیں۔ یعنی رسولوں کی موجودگی میں بشریت کی بنیاد پر رسالت کا انکار اور بعد میں رسالت کی بنیاد پر بشریت کا انکار!

وقوعِ قیامت کا پُر زور اثبات

اس کے بعد ایمان بالآخرۃ یا ایمان بالمعاد کا بیان شروع ہوتا ہے' اور ساتویں آیت اسی مضمون پر مشتمل ہے۔ ایمان بالآخرۃ کی عقلی اور منطقی اساس تو ایمان باللہ کے ضمن میں تیسری آیت کے آخر ہی میں "وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ" کے الفاظِ مبارکہ میں قائم کر دی گئی تھی۔ اب یہاں بڑی فصاحت و بلاغت اور بڑے شدّومد کے ساتھ ایک آیت میں اس کے انکار کی پر زور نفی اور اس کے وقوع کا نہایت تاکیدی اثبات کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے : ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا﴾ "مغالطہ ہو گیا ہے ان کافروں کو کہ ان کو دوبارہ اٹھایا نہ جائے گا"۔ زعم کا لفظ اردو میں بھی بے بنیاد خیال کے معنوں میں مستعمل ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں کو بڑا زعم ہے' یعنی اسے اپنے بارے میں مغالطہ ہے اور وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے' درانحالیکہ اس کی اصل حیثیت کچھ نہیں ہے اور وہ محض ایک خیالِ خام اور ایک بے بنیاد ظن میں مبتلا ہے۔ کفّار اسی زعم اور خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ مرنے کے بعد ان کو دوبارہ اٹھایا نہ جائے گا۔ قرآن مجید میں کفار کے اس اعتراض اور استعجاب کو بہت سے مقامات پر مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے' اور خاص طور پر مکی سورتوں میں ان کے اس خیالِ خام کی نفی اور بعث بعد الموت کے اثبات کے لئے آفاق و انفس سے مفصل دلائل دیئے گئے ہیں۔ یہاں ان دلائل و براہین کے اعادے کی بجائے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ : ﴿قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ﴾ "(اے نبی!) کہہ دیجئے کیوں نہیں' اور مجھے اپنے رب کی قسم ہے' تم لازماً اٹھائے جاؤ گے' پھر تم نے (دنیا میں) جو کچھ کیا ہے وہ لازماً تمہارے سامنے

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

رکھ دیا جائے گا۔" اس اسلوب میں جو زور اور تاکید ہے اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جو عربی زبان سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہوں۔ عربی زبان میں اس سے زیادہ تاکید کا کوئی اور اسلوب نہیں ہے کہ فعل مضارع سے پہلے لامِ مفتوح اور آخر میں نونِ مشدّد ہو۔ یہاں تاکید کا یہی اسلوب آیا ہے۔

اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا : ﴿وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ﴾ "اور یہ چیز اللہ پر بہت آسان ہے"۔ یعنی بظاہر تمہیں بہت مشکل معلوم ہو رہا ہے لیکن جب اللہ کو مان لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس استعجاب کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے؟ جس قادرِ مطلق نے پہلے پیدا کیا تھا اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔

جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اس آیت مبارکہ میں کوئی عقلی استدلال یا منطقی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ یہاں دراصل خطابی اور اذعانی دلیل کا اسلوب ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ پورے یقین و وثوق کے ساتھ اللہ کی قسم کھا کر اور اپنے رب کی شہادت پیش کرتے ہوئے ان منکرین سے کہہ دیجئے کہ "ایسا لازماً ہو کر رہے گا اور تم لازماً محاسبہ کے لئے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔" زیادہ گہرائی میں غور کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ یہاں دراصل نبی اکرم ﷺ کی سیرت و شخصیت کا وزن بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے کہ غور کرو کہ یہ کون کہہ رہا ہے اور کس کی زبان مبارک سے یہ کلمات ادا کرائے جا رہے ہیں! اس کی سیرت اور اخلاق کا عالم کیا ہے! اس کی صداقت و امانت کے بارے میں تمہاری متفقہ رائے کیا ہے! وہ "الصادق" اور "الامین" شخص ہے جو قسم کھا کر بعث بعد الموت کی خبر دے رہا ہے اور پورے یقین اور اذعان کے ساتھ دے رہا ہے۔ یعنی وہ فلسفیوں کی طرح یہ نہیں کہہ رہا کہ میرا گمان یہ ہے' یا میرا خیال یہ ہے' یا میری عقل یہ حکم لگاتی ہے' یا مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے' بلکہ پورے وثوق کے ساتھ خبر دے رہا ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ گویا یہ فلسفیانہ کلام نہیں ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کا امکان ہو' بلکہ اللہ کا کلام ہے جو رسول ﷺ کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس میں شبہ کا ذرا سا بھی شائبہ موجود نہیں! مزید برآں رسولوں کا معاملہ محض "ایمان بالغیب" کا نہیں ہوتا بلکہ انہیں

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

حیاتِ دنیوی ہی میں "ملکوت السمٰوات والارض" یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرادیا جاتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو احوالِ آخرت کی جو خبریں دیں تو اپنے ذاتی مشاہدہ اور معائنہ کی اساس پر اور کامل یقین واذعان کے ساتھ دیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں اگرچہ کوئی عقلی و منطقی دلیل موجود نہیں ہے لیکن اس اسلوبِ بیان اور اس اندازِ کلام میں ایک بڑی عظیم اذعانی و ایقانی دلیل مضمر ہے جس میں اصل وزن جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی سورج کے مانند روشن سیرت و شخصیت کا ہے۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں ذکر موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر اپنا پہلا دعوتی و تبلیغی خطبہ ارشاد فرمایا تو پہلے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے مجھے کیسا پایا؟ گویا پہلے ان سے اپنی اس صداقت' امانت اور دیانت کی تصدیق و توثیق کرالی جسے وہ بہت پہلے سے تسلیم کر چکے تھے' پھر دعوت پیش فرمائی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مخاطبین یہ سوچیں کہ جس شخص نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو' جس کا شعار ہی صداقت و امانت ہو' جس نے کبھی کسی کو دھوکہ اور فریب نہ دیا ہو' کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے لگ جائے گا! کیا وہ پوری نوعِ انسانی کو فریب دینے پر آمادہ ہو جائے گا! پس حضور ﷺ کی یہی سیرت و کردار اور آپؐ کا یہی اخلاقِ حسنہ سورۃ التغابن کی ساتویں آیت کے پس منظر میں بطورِ دلیل پنہاں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے ابتدائی دور کا ایک خطبہ بھی ملتا ہے جسے "نہج البلاغہ" میں نقل کیا گیا ہے اور جس میں بالکل وہی انداز' وہی اسلوب' فصاحت و بلاغت کا وہی معیار اور خطابت کی وہی شان ہے جو اس آیتِ مبارکہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ حضورؐ خود بھی اس کے مدعی ہیں کہ "اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ" یعنی "میں عرب کا فصیح ترین انسان ہوں" اور واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کا یہ خطبہ اس دعویٰ کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ارشاد فرمایا :

((اِنَّ الرَّائِدَ لَایَکْذِبُ اَھْلَہٗ' وَاللّٰہِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا کَذَبْتُکُمْ' وَلَوْغَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَاغَرَرْتُکُمْ۔ وَاللّٰہِ الَّذِی لَااِلٰہَ اِلَّا ھُوَاِنِّی لَرَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ خَاصَّۃً وَاِلَی النَّاسِ کَافَّۃً۔ وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ' ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ' ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

بِمَا تَعْمَلُوْنَ، ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَبِالسُّوْءِ سُوْءًا، وَاِنَّهَا الْجَنَّةُ اَبَدًا اَوِ النَّارُ اَبَدًا))

"لوگو! تم جانتے ہو کہ رائد (قافلہ کا رہبرو رہنما) اپنے قافلے کو کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔ اللہ کی قسم! اگر (بفرضِ محال) میں تمام انسانوں سے جھوٹ کہہ سکتا تب بھی تم سے کبھی نہ کہتا اور اگر تمام انسانوں کو فریب دے سکتا تب بھی تمہیں کبھی نہ دیتا۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف خصوصاً اور پوری نوعِ انسانی کی طرف عموماً ــــــ اللہ کی قسم! تم سب یقیناً مرجاؤ گے جیسے (روزانہ) سو جاتے ہو، پھر یقیناً اٹھائے جاؤ گے جیسے (ہر صبح) بیدار ہو جاتے ہو۔ پھر لازماً تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہو گا اور پھر لازماً تمہیں بدلہ ملے گا، اچھائی کا اچھا اور برائی کا برا۔ اور وہ جنت ہے ہمیشہ کے لئے یا آگ ہے دائمی"

© rasailojaraid.com

اب تک کے مطالعے پر ایک نگاہ بازگشت ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سات آیات میں ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا بیان ہو گیا۔ چنانچہ توحید اور صفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں چار آیات، رسالت کے موضوع پر دو آیات، اور آخرت یا معاد کے بارے میں ایک آیت وارد ہوئی۔ ان ایمانیاتِ ثلاثہ بالخصوص ایمان بالآخرت کی مزید تشریح ایک خطبۂ نبوی ؐ سے بھی ہمارے سامنے آگئی۔ اب اگلی یعنی آٹھویں آیت سے ایمان کی پرزور دعوت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا﴾ "پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا (یعنی قرآن مجید)" ــــــ ان الفاظ میں اولاً اللہ پر ایمان کی دعوت دی گئی اور پھر ایمان بالرسول ؐ کے ساتھ اس نورِ ہدایت پر ایمان کو بھی شامل کر لیا گیا جو وحی اور کتاب کی صورت میں رسول ؐ پر نازل کیا گیا اور چونکہ بعد کی دو آیات (نمبر ۹ اور ۱۰) میں ایمان بالآخرت کی زوردار دعوت آرہی ہے لہٰذا آیت نمبر ۸ کے اختتام پر ایک بار پھر اللہ کی صفتِ علم کا حوالہ دے دیا گیا کہ: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ "اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے!" یعنی وہ تمہاری ہر ہر حرکت، ہر ہر عمل اور ہر ہر فعل ہی نہیں، تمہاری نیتوں اور ارادوں سے بھی باخبر ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے تحت الشعور اور لاشعور بھی اس پر بالکل عیاں ہیں!

© rasailojaraid.com

ہار اور جیت کے فیصلے کا دن

اگلی دو آیات (۹' ۱۰) میں پھر ایمان بالآخرت کا بیان ہے۔ اس سے قبل آیت نمبر ۷ میں بھی ایمان بالآخرت کے اولین اور اہم ترین جزو یعنی بعث بعد الموت کا اثبات نہایت پر زور انداز میں ہو گیا ہے۔ اب ان دو آیات میں اولاً آخرت کی اصل حقیقت اجمالاً بیان کی گئی' یعنی قیامت کا دن ہی ہار اور جیت' اور کامیابی و ناکامی کے اصل فیصلے کا دن ہے۔ جو اس دن کامیاب قرار پائے گا وہی حقیقتاً کامیاب ہو گا اور جو اس روز ناکام قرار دے دیا گیا وہی اصلاً ناکام ہو گیا۔ گویا جو اس دن جیتا وہی جیتا اور جو اس دن ہارا وہی ہارا! ____ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے : ﴿یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ "وہ دن کہ جس دن وہ (اللہ) تمہیں جمع کرے گا جمع ہونے کے دن (یعنی یوم قیامت) وہی ہے ہار اور جیت کے فیصلے کا اصل دن"۔ ____ "تغابن" بنا ہے لفظ "غبن" سے۔ غبن کا لفظ ہمارے یہاں اردو میں بھی مستعمل ہے' یعنی کسی کو نقصان پہنچانا' کسی کا مال دبا لینا' مالک کی اجازت اور اس کے علم میں لائے بغیر اس کے مال میں تصرف کر لینا' یہ تمام مفاہیم لفظ غبن میں شامل ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ باب تفاعل میں "تغابن" کی صورت اختیار کرتا ہے تو اس میں مزید بہت سے معانی و مطالب شامل ہو جاتے ہیں۔ تغابن کا لفظ اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جو اس دنیا کے جملہ معاملات میں معلوم و معروف ہے۔ یعنی یہ کہ اس دنیا میں جو باہمی معاملات ہوتے ہیں ان میں ہر فریق چاہتا ہے کہ وہ دوسرے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے یا بالفاظِ دیگر دوسرے کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائے۔ دکاندار چاہے گا کہ گاہک سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرے جبکہ خریدار کی خواہش ہو گی کہ اسے داموں میں زیادہ سے زیادہ رعایت حاصل ہو۔ اسی طرح کاروبار دنیا کے ہر شعبے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔ پس ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ زک پہنچانے کی کوشش کا نام ہے "تغابن"۔ اس تغابن کا ایک ظہور تو دنیوی معاملات میں ہر آن ہو رہا ہے کہ کسی کی جیت ہو رہی ہے اور کسی کی ہار' اور کسی کو نفع حاصل ہو رہا ہے اور کسی کو نقصان۔ لیکن اس دنیا کی ہار جیت بھی عارضی ہے اور نفع نقصان بھی عارضی۔ ہار جیت

© rasailojaraid.com

کے فیصلے کا اصل دن یومِ قیامت ہے۔ اس لئے کہ اس دن کی جیت بھی ابدی ہوگی اور ہار بھی دائمی ہوگی اور نفع بھی مستقل ہو گا اور نقصان بھی دائمی ہو گا۔ اس کے لئے یہاں فرمایا گیا : "ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ "اصل میں تو وہاں جاکر کھلے گا کہ کون کیا تھا اور کس کی حقیقت کیا تھی! اور کون بامراد ہوا اور کون نامراد! اور ہار کس کی ہوئی اور جیت کس کی! رہی اس دنیا کی ہار جیت اور کامیابی و ناکامی' تو یہ سب عارضی اور فانی ہیں۔ اصل تختۂ واصل باقی یعنی اصل بیلنس شیٹ تو قیامت کے روز سامنے آئے گی!

آگے اسی ہار جیت اور کامیابی و ناکامی کی تفصیل بیان ہوئی ہے :

﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

"اور جو اللہ پر ایمان رکھے گا اور عمل کرے گا بھلے اور درست اللہ اس سے اس کی برائیوں کو دور فرمادے گا اور داخل کرے گا اسے ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوگی' جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ہے بڑی اور اصل کامیابی۔"

یہ جیت کی شرح ہو گئی' یعنی جنت میں داخلہ اور ہمیشہ کا خلود! گویا یہ ہے مستقل' واقعی اور حقیقی جیت! اس کے برعکس ہار کیا ہے؟ اسے آیت نمبر ۱۰ میں واضح فرمادیا گیا :

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝﴾

"اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ آگ والے ہیں' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔"

اس موقع پر ایک اور ضروری بات بھی سمجھ لینی چاہئے۔ وہ یہ کہ قرآن مجید میں جہاں کفر اور تکذیب دونوں جرائم کا ذکر ساتھ ساتھ ہوتا ہے' وہاں کفر اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی معرفت کی جو شہادتیں انسان کی اپنی فطرت اور اس کے اپنے باطن میں مضمر ہیں' انسان ان کو دبادے' چھپادے اور انہیں بروئے کار نہ آنے دے۔ اور تکذیب اس کے اوپر دہرا جرم ہے کہ جب رسول آئے' کتاب اتری' اور نورِ وحی نے حق کو بالکل

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

روشن اور مبرہن کردیا تو اس نے اسے جھٹلا دیا۔ اس طرح دو جرم جمع ہو گئے۔ گویا کفر اور تکذیب بالکل ہم معنی نہیں ہیں بلکہ "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کے مصداق ظلم پر مزید ظلم اور ایک جرم پر دوسرے کے اضافے کے مترادف ہیں۔

خلاصۂ مباحث

سورۃ التغابن کے پہلے رکوع کی مختصر تشریح و توضیح ختم ہوئی۔ اس رکوع میں سب سے پہلے اللہ کی ہستی' اس کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال پر آیاتِ آفاقی کی شہادت کو اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے' اللہ کی تسبیح کر رہا ہے۔ اور پھر اس کی جلالتِ شان اور اس کی بعض صفاتِ کمال خصوصاً قدرت اور علم کا بیان ہوا۔ پھر رسالت کے ذیل میں رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کے عذابِ الٰہی سے ہلاک ہونے کا بیان بھی آگیا اور رسالت کے باب میں ان کی اصل گمراہی کی نشاندہی بھی کردی گئی کہ انہوں نے بشریت اور نبوت و رسالت کو ایک دوسرے کی ضد خیال کیا۔ اس کے بعد منکرینِ بعث بعد الموت کی شدت کے ساتھ تردید اور بعث بعد الموت' حشر و نشر اور جزا و سزا کا بیان اور اس حقیقت کی وضاحت ہوئی کہ اصل ہار جیت اور کامیابی و ناکامی کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ' رسول ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان کی پرزور دعوت بھی آگئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی ایمان نصیب فرمائے' ہمارے قلوب و اذہان کو ایمان کے حقیقی نور سے منور فرمائے اور ہمیں آخرت کی فوز و فلاح سے بہرہ ور فرمائے۔

آمین یا رب العالمین! (جاری ہے)

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفہ پیش کیجیے!

© rasailojaraid